مکاتیب

(۱)

۲۶ مئی ۲۰۰۵

محترم جناب حافظ عمار خان ناصر

ایڈیٹر 'الشریعہ' گوجرانوالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ماہ مارچ ۲۰۰۵ کے تیسرے ہفتے میں دو سرکاری اداروں، ادارہ تحقیقات اسلامی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ''اجتہاد'' کے موضوع پر اسلام آباد میں ایک سیمینار منعقد ہوا۔ اس کی مختصر سی خبریں تو ملک کے متعدد اخبارات میں چھپیں، لیکن تفصیلی کارروائیاں زیب قرطاس نہ ہوئیں۔ مولانا زاہد الراشدی بھی اس سیمینار کے اہم شرکا میں سے تھے۔ انھی کے لطف وکرم سے لاہور کے دو روزناموں، پاکستان اور اسلام میں مولانا موصوف کی تقریر کا مطبوعہ متن میسر آیا۔ روزنامہ اسلام لاہور نے اپنی ۲۲ مارچ ۲۰۰۵ کی اشاعت میں مولانا محترم کا مقالہ بعنوان ''پاکستان میں اجتماعی اجتہاد کی کوششوں پر ایک نظر'' سپرد قلم کیا۔ مذکورہ مقالے میں اس سیمینار کی کارروائیوں کے حوالے سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر جسٹس (ر) خلیل الرحمان خان کی ایک تجویز کا ذکر یوں آتا ہے:

''مجھے جسٹس خلیل الرحمان خان کی اس تجویز اور تجزیہ میں موجودہ معروضی صورت حال کی روشنی میں اہمیت وضرورت کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آیا کہ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ پارلیمنٹ کے ارکان اور عدلیہ کو قرآن وسنت کے احکام سے باخبر کرنے کے لیے ان اداروں کے ساتھ مستقل تحقیقی شعبے قائم کیے جائیں اور ایک بڑی لائبریری موجود ہونی چاہیے کہ اگر کوئی مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہو تو ارکان اس سلسلے میں دینی رہنمائی کے لیے اس سے رجوع کر سکیں اور انھیں اس بارے میں بریف کیا جا سکے۔..... اسی طرح عدلیہ میں بھی اس قسم کے شعبوں کا قیام ضروری ہے۔..... جسٹس (ر) خلیل الرحمان نے بتایا کہ بعض مسائل میں جج صاحبان اس لیے بھی صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے کہ ان کے پاس دینی طور پر اس مسئلہ میں ضروری معلومات نہیں ہوتیں۔ انھیں اگر صحیح طور پر

بریف کر دیا جائے تو وہ بہتر فیصلے کر سکتے ہیں۔...... جسٹس (ر) خلیل الرحمان خان کی یہ تجویز مجھے بہت اچھی لگی اور اس نشست کے صدر جناب وسیم سجاد نے بھی اس میں دل چسپی لی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وسیم سجاد صاحب اس کی اہمیت کو محسوس کر لیں تو وہ اس وقت اس پوزیشن میں ہیں کہ اس پر عمل در آمد کا اہتمام کر سکتے ہیں۔''

'پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے' والی اس صورت حال کو دیکھ کر جان و تن وجد میں آ گئے۔ جسٹس خلیل الرحمان مدظلہم کی یہ تجویز ایک ایسی نشست میں سامنے آئی جس کی صدارت محترم وسیم سجاد کر رہے تھے۔ محترم وسیم سجاد ملک کی ایک مایہ ناز شخصیت جسٹس سجاد احمد خان کے صاحب زادے ہیں۔ قانون ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ دشت سیاست کے خارزار کے آبلہ پا ہونے کے باوجود ضمیر کی دولت ان سے وابستہ ہے۔ سینٹ کے چیئرمین رہے اور اس ناتے کئی بار ملک کے قائم مقام صدر بھی۔ حکمران طبقات کی باہمی آویزش میں توازن و اعتدال قائم رکھنے میں ابلہ رہے۔ ان تمام اونچی سیجوں پر رہ کر محترم وسیم سجاد نے ملت کی پستیوں کی ہر سطح بھی دیکھی، پرکھی اور بھگتی ہے۔ یقین ہے وہ اس تجویز سے نہ صرف اتفاق کریں گے بلکہ تن و من سے (دھن سے نہ سہی) اسے آگے بڑھانے میں لگ جائیں گے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ اس تجویز سے وابستہ تمام حضرات کی فکر و نظر میں 'وجعلنا له نورا يمشي به في الناس' کی وسعتیں سمودے۔ آمین

اس غیر معمولی تجویز کی اہمیت و افادیت سے صرف وہی انکاری ہوگا جس کے بارے میں 'الا من سفه نفسه' کہا جا سکے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ہوش مندوں کا وجود ہے۔ راقم الحروف کو نہ صرف وقتاً فوقتاً اراکین مقنّنہ سے واسطہ رہا، بلکہ معزز اراکین عدالت نیز معروف وکلا صاحبان سے بھی ربط ضبط رہا کیا۔ فہم دین کے معاملے میں ہو کہ دنیا دانی کی بات ہو، ان معاملات سے وابستہ حضرات کو تہی دامنی کا الزام دینا غلط ہے، یوں کہ خود مروجہ عصری نظام تعلیم ہی ملی سوچ، حکمت و دانائی کے معاملے میں کور چشم ہے، بلکہ صرف 'عمی' ہی نہیں، 'صم و بکم' بھی ہے۔ (ہاں وہ حضرات مستثنیٰ ملتے ہیں کہ جن کے گھرانے مذہبی تعلیم سے بھی آراستہ چلے آئے ہوں، مگر اب یہ صف خاصی الٹ چکی) ظاہر ہے کہ یہ تمام حضرات مروجہ نظام تعلیم کے پروردہ ہوتے ہیں اور ان میں سے جو حضرات خم خانہ مغرب کے جرعہ تعلیم سے بھی فیض یاب ہوئے ہوں، ان کی جدید رندی، خوب صورتی پر رسولی کی کیفیت سے عبارت ہوتی ہے۔

پھر یہ کہ عصری نظام تعلیم تو انگریز بہادر کے دم قدم سے آیا تھا، ہمارے مدارس کی کیفیت تو گزشتہ کئی صدیوں سے ایسی رہی کہ اب تو رونے کے لیے بھی آنسو کسی سے قرض ہی لینے پڑیں گے۔ فکری جمود اور کم نگہی کی جس منزل پر ہم آج نظر آتے ہیں، وہ آج کی بات نہیں۔ یہ بے ڈول قدم آج سے نصف صدی سے بھی پہلے دیکھے جاتے تھے۔ آخر ''نہ خود بیں، نے خدا بیں، نے جہاں بیں'' کی فغاں اور ''زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ'' کا نالہ ایک دردمند نے اسی برصغیر میں یہ دیکھ کر ہی تو بھرا تھا کہ ہم من حیث الملت خودداری، خود اعتمادی اور خودی سب کچھ کھوتے جا رہے ہیں۔

آنکھوں نے اس پیاری سرزمین میں وہ منظر بھی دکھلائے جب مقنّنہ اور عدلیہ کے مقتدر اراکین میں بعض